باب: ۵

عیسیٰؑ اُس ہجوم کو دیکھتے ہوئے ایک قریبی پہاڑی پر جا بیٹھے اور پھر جب آپؑ کے حواریؓ آپؑ کے پاس آئے تو ﴿۱﴾

39 قریباً پانچ ہزار لوگوں کا ہجوم حضرت عیسیٰؑ کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ ایسی بڑی بِھیڑ میں آپؑ کے لئے اپنے حواریوںؓ کو تعلیم دینا مُشکل ہو رہا تھا۔ لہٰذا آپؑ قریب کی ایک پہاڑی پر جا بیٹھے، جہاں آپؑ کے حواریؓ آپؑ کے پاس آ گئے۔ یوں آپؑ کو اپنے بارہ حواریوںؓ کو تعلیم دینے میں آسانی ہو گئی۔

آپؑ باآوازِ بلند اُنہیںؓ یوں درس دینے لگے ﴿۲﴾ مبارک ہیں وہ لوگ جو دِل کے غریب ہیں کیونکہ سلطنتِ الٰہی اُنہی کی ہے ﴿۳﴾

40 مبارک: جن پر اللہ کی رحمتوں اور انعام و اکرام کی بارش ہو۔

41 دِل کے غریب: انسانی گناہوں اور ظلمتوں کے سبب معاشرے میں جب ہر طرف اداسیاں، ناکامیاں اور مایوسیاں برپا ہوتی ہیں تو ایسے حالات میں اکثر لوگ اپنے ماحول کیساتھ سمجھوتہ کر لیتے تھے اور یوں وہ تباہیوں اور لعنتوں کی دلدل میں دھنسے چلے جاتے ہیں، مگر بعض اہلِ شعور ان حالات میں بھی اللہ کو پکارتے ہیں اور صدقِ دل سے اسکی سچائی اور راہِ حق کے متلاشی رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو عیسیٰؑ نے "دِل کے غریب" کہا ہے۔ یہی لوگ تاریکیوں سے توبہ کر کے نُورِ خدا یعنی اللہ کی بادشاہی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ (مزید دیکھئے، 22 اور 36 اور 73 کے حاشیے)

مبارک ہیں وہ لوگ جو غمزدہ ہیں کیونکہ وہ تسلّی پائیں گے ﴿۴﴾

42 اہلِ یہود میں سب سے اذیت ناک دور وہ تھا جب اللہ نے اُن کی مسلسل گناہ آلودہ زندگیوں کے باعث اُن کے درمیان سلسلۂ پیغمبری اور وحی بند کر دیا تھا۔ جس کے سبب یہ لوگ اہلِ کتاب، اہلِ شریعت اور اہلِ انبیاءؑ ہونے کے باوجود جا بجا ذلیل و خوار ہو رہے تھے، بالخصوص رُومیوں یعنی بت پرست قوم کی غلامی انکے نزدیک سخت شرمناک اور ذلت آمیز بات تھی۔ انہی مایوسیوں اور غموں کے باعث ساری یہودی قوم تین بڑے حصوّں میں بٹ کر راہِ نجات تلاش کرنے میں سرگرداں تھی۔ ایک حصہّ راہبانہ زندگی اپنا کر جنگلوں، ویرانوں، بیابانوں اور پہاڑوں پر آباد ہو کر اللہ اللہ جپنے میں جُٹ گیا تھا۔ دوسرا، صوفیانہ طرز پر تعویذ، گنڈوں، عملیات اور روحانیات میں تسکین ڈھونڈتا پھر رہا تھا، جبکہ تیسرا گروپ جہادی راستہ اختیار کرتے ہوئے رُومی سلطنت اور دیگر غیر اقوام کے خلاف دہشت گرد حملے کرتا تھا۔ (حاشیہ 92 اور 99) الغرض مذکورہ تینوں گروپوں میں اپنے معاشرے کے گناہوں اور تاریکیوں سے آزادی حاصل کرنے کی سخت جستجو لگی ہوئی تھی۔ اور یہ سبھی لوگ اپنے اپنے طریقوں سے اُس مسیحؑ کو زمین پر آنے کی دعوت دے رہے تھے جو ان کے صحیفوں کے مطابق انہیں تمام غموں، تکلیفوں اور گناہوں سے مستقلاً نجات دلائے گا۔ بالآخر عیسیٰؑ مسیحؑ جب دُنیا میں تشریف لائے تو یحییٰؑ نے انہیں دیکھتے ہی ان پر گواہی دی کہ "یہ خدا کا برّہ ہے جو دُنیا کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے۔" (انجیلِ یوحنا باب 1، 29 ویں آیت) خود عیسیٰؑ نے صوبۂ گلیل میں اعلان فرمایا۔ "اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس چلے آؤ۔ مَیں تمہیں آرام دُوں گا۔" (باب 11، سطر 28)۔ حاشیہ 36، 22 اور 122۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ تمام دُنیا کے وارث ہونگے ﴿۵﴾

43 حضرت داؤدؑ کے صحیفۂ زبور 37 کی آیات 21، 11 و 22 اور 29 "زمین کے وارث "حلیموں اور صادقوں (صراطِ مستقیم پر چلنے والوں) کو کہا گیا ہے کہ حلیمی اور صداقت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں دراصل ایک ہی روحانی جزو کے نام ہیں۔ مثلاً حلیمی و صداقت باہم حقیقت پسندی کے مظہر ہوتے ہیں۔ اِن کے حامل انسان اپنے شب و روز میں کامل سچائی اور حقیقت پسندی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور حلیمی کا اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انہیں کسی بھی معاملے میں اپنا کوئی سا بھی عیب، یا گناہ نظر آئے تو اس کا اعتراف و اقبال کرنے میں ہر گز عار محسوس نہیں کرتے، بلکہ اپنی خامیوں اور بداعمالیوں پر سرِعام توبہ و معذرت کرنے کے لئے بھی ہمہ تن تیاّر رہتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس غرور اور تکبر والے انسان حقیقت اور صداقت کو جھٹلانے میں بے مثال ہوتے ہیں۔ مذکورہ لوگ اکثر اپنی کمزوریوں، غلطیوں اور سیاہ کاریوں کا الزام دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش میں رہتے ہیں، جس کا ردِ عمل باہمی تلخیوں اور دل آزاریوں میں رونما ہوتا ہے۔ (دیکھئے، سلیمانؑ کی امثال باب 13 اسکی 10 ویں آیت اور 16 ویں باب کی 18 ویں آیت)۔ ایسے عناصر کے سخت چہرے لوگوں کو عموماً ان سے دُور رکھتے ہیں۔ مذکورہ نفوس کو اگر زندگی کے کسی شعبے میں لیڈر شپ کا رول مِل جائے تو وہ اپنے ماتحت لوگوں کی خدمت کرنے کی بجائے اُن سے خدمت لینے میں ناز و فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسروں پر جبر اور ڈکٹیٹر شپ کرنا ہی کامیاب لیڈر شپ کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے طرزِ عمل کے برعکس مشورہ سننے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہوتے، لیکن حلیمی اور انکساری کے پر تو ہر معقول مشورے کو سننے اور انہیں اپنانے کے لئے ہمیشہ تیاّر

رہتے ہیں۔ حلیم لوگ محض اپنی ہی عقل پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اپنے معاملاتِ زندگی میں دیگر مشیروں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اور اپنی لیڈرشپ میں نئی نئی جدّتیں لاکر لوگوں کی خدمت کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ عیسیٰؑ نے اپنی زندگی سے حلیمی اور فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہوتے اپنے حواریوںؓ کے پاؤں دھوئے، اُنکے باورچی بنے، ہولناک امراض میں جکڑے ہوؤں کے شافی (بلامعاوضہ) بنے، مُردوں کو زندہ کیا اور لوگوں کو جنّوں اور بھوتوں کے قبضات سے رہائی بخشی۔ (یہ تمام خدمات آپؑ قطعی مفت کیا کرتے تھے، اور یہی تعلیم آپؑ نے اپنے حواریوںؓ کو دی تھی) آپؑ کے مذکورہ کردار اور دیگر معاملات میں لوگوں کو جب انکساری اور فروتنی نظر آئی تو لوگ ہجوم کی صورت میں نکل کر آپؑ کے پیچھے لگ جاتے تھے۔ بعض مرتبہ محض آپؑ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے، بعض اوقات آپؑ کو جبراً اپنا بادشاہ بنانے کے لئے اور اکثر آپؑ سے شفا حاصل کرنے کی خاطر! (دیکھئے: 15واں باب، 29 تا 31 سطور، انجیلِ لُوقا، باب 19 آیت 13 اور انجیلِ یوحنا، باب 6 آیت 15)۔ الغرض جس طرح عیسیٰؑ حلیمی اور صداقت کے باعث لوگوں کے دِلوں پر راج کر رہے تھے اسی طرح آپؑ نے مندرجہ بالا کلام میں لوگوں کو اللہ کی مذکورہ تعلیم پر عمل کر کے "زمین کے وارث" بننے کی ندا دی تھی۔ (مزید دیکھئے: قرآن سورہ الانبیا، آیت 105، انجیلِ یوحنا، باب 21 آیات 12 اور 13 اور حاشیہ 160)۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو راستی کے بھُوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسُودہ کئے جائیں گے ۝٦

44 راستی، کو راست بازی بھی کہا گیا ہے۔ یعنی صراطِ مستقیم! اس پر چلنے والے اللہ کے صالحین لوگ، راست رو اور دیندار کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگیاں خوفِ خدا سے معمور ہوتی ہیں۔ اور انہیں ہر وقت اللہ کی پہچان میں بڑھنے کی شدید جستجو رہتی ہے۔ ایسے لوگ ہی اس دُنیا میں نہ صرف ہر قسم کی تاریکی کا مقابلہ کر پاتے ہیں بلکہ خود انکی زندگیوں میں لازوال سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو رحیم ہیں کیونکہ اُن پر بھی رحم کیا جائے گا ۝٧

45 رحیم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ وہ ہمارے گناہوں اور قصوروں کے مطابق ہمارے ساتھ سلوک نہیں کرتا، اگر اللہ ہماری بد کرداریوں اور گناہوں کے موافق ہمیں سزا دینے لگے تو آج کرۂ ارض پر کسی انسان کا وجود تک نظر نہ آئے گا۔ لیکن ہم سب محض اس کے رحم و کرم کی بدولت ہی آباد ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی ایک دُوسرے کے ساتھ رحم کے ساتھ پیش آنا چاہئیے۔ لوگوں کے قصُوروں اور منفی ردِ عمل پر ہم اُنکے ساتھ مثبت رویے کے ساتھ پیش آئیں تاکہ اُنکے ضمیر پر گناہ اور غلطی کا بوجھ باقی نہ رہے۔ یہی اللہ اور اُس کے بندوں کا طریقۂ رحم ہے۔ کسی کو معاف کرنا بھی رحم کا ایک پہلو ہے۔ مُجرِم کو کم سزا دینا بھی رحم ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ستانے والوں کو معاف کیا۔ زانیہ کو سنگسار ہونے سے بچایا، ٹھکرائے ہُوؤں اور اچھوتوں سے اعلانیہ محبت کی۔ دیکھئے: زبور 18 آیت، 25، انجیلِ لُوقا، باب 23 آیت 34، انجیلِ یوحنا، باب 8 آیات 3 تا 11۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے ۝٨

46 خدا کو دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان ظاہری و باطنی پاکیزگی کی زندگی بسر کرتا ہے (یعنی گناہ اور شیطان کی ہر بات سے نفرت کرتا ہوا اللہ کے خوف میں پاکیزہ زندگی اپناتا ہے) تو اللہ کا رُوح یعنی رُوحُ القُدس (اللہ کی ایک صفت) اُسکے دِل میں سما جاتا ہے اور یوں وہ اللہ کی قُربت اور یگانگت سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے گہرے مکاشفے
اُس کی حیات کا حصّہ بن جاتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صُلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے ۝٩

47 صلح کرانے والے: انسان جب ہر طرح کی تاریکیوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو کر اللہ کے دشمن ابلیس کا رفیق بن جاتا ہے تو یوں وہ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ اپنا رشتۂ محبت قطعی منقطع کر ڈالتا ہے، جس سے اسکی زندگی اور معاشرے میں ہولناک عذاب اور آفتیں جنم لیتی ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ کے نیک بندے اور صالحین لوگ (جن کی اپنی زندگیاں نورِ خدا اور پاکیزگی سے درخشاں ہوتی ہیں) زیرِ نظر گمراہ لوگوں کو جب خدا کے ساتھ، بذریعہ توبہ ملا دیتے ہیں تو وہ لوگ دوبارہ سلطنتِ الٰہی کے فرزند بن جاتے ہیں۔ خدا کے فرزند وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگیوں سے خدا کی تجلّی (مثلاً رحمدلی، پاکیزگی، اطاعت، عدل، حِلم، سخاوت، توبہ وغیرہ) کو منوّر کرتے ہیں۔ ایسے صالح انسان ہر بات اور ہر معاملے میں اللہ کی خوشنودی کو پُورا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ شیطان کی ہر سوچ سے یوں نفرت کرتے ہیں جس طرح اللہ نفرت کرتا ہے۔ اور نُور کو اس طرح پسند کرتے ہیں جس طرح خدا پسند کرتا ہے۔ ایسے لوگوں میں خدا کا

خوف و کردار ہمہ تن بسا ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ لوگ خدا کے بیٹے بیٹیاں کہلاتے ہیں ، جبکہ ابلیس کے چیلے شیطان کی اولادیں کہلاتی ہیں ۔ مزید
دیکھئے، حاشیہ: 128، 81، 79، 28، 26اور 156۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو راستی کے باعِث ستائے گئے ہیں کیونکہ سلطنتِ الٰہی اُنہی کی ہے ﴿۱۰﴾
جب میرے سبب سے لوگ تمہیں ذلیل کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تمہارے بارے میں ناجائز کہیں گے تو تم مبارک ہو گے
﴿۱۱﴾ ایسی حالت میں تم خوشی منانا ، اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ اللہ کے پاس تمہارے لئے اِس کا اجر عظیم ہے ، اِس لئے کہ لوگوں نے اُن نبیوںؑ پر بھی جو تم سے
پہلے تھے اِسی طرح ظلم ڈھائے تھے ﴿۱۲﴾ تم زمین کے نمک ہو، لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا ؟ پھر وہ کسی کام کا نہیں سوا اِس کے
کہ باہر پھینکا جائے اور لوگوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے ﴿۱۳﴾ تم دُنیا کے نُور ہو، جس طرح وہ شہر جو پہاڑ پر بسا ہے ، کبھی چھپ نہیں سکتا ﴿۱۴﴾ اور جس طرح چراغ
روشن کرکے چراغ دان کے نیچے نہیں بلکہ اُس کے اُوپر رکھا جاتا ہے تا کہ اُس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچے ﴿۱۵﴾ اِسی طرح تمہاری روشنی لوگوں کے سامنے
چمکے ، تا کہ وہ تمہاری نیک زندگیوں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے ، حمد کریں ﴿۱۶﴾
یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوںؑ کے صحیفوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں ۔ منسوخ کرنے
نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہوں ﴿۱۷﴾

48 انبیاءؑ کے صحیفوں اور قرآن (سورہ ال عمران آیت 48) میں حضرت عیسیٰؑ مسیحؑ کے بارے میں یہ پیشین گوئیاں اور واضح بیانات ملتے ہیں کہ آپؑ بنی اسرائیل کو توریت اور انجیل کے معنی سکھائیں گے، جس سے لوگ کلام حق کو سمجھ کر شیطان کے عذاب سے رہائی پائیں گے۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے صراط مستقیم پر چلیں گے۔ لیکن یہودی علمائ عیسیٰؑ کی سچی اور کھری تعلیم سے نہ صرف خود انحراف کرتے تھے (باب 23 سطر 13) بلکہ ساری قوم اور جماعت کو بھی عیسیٰؑ کی تعلیمات سے دُور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کے ہتکنڈوں میں یہ بات عام تھی کہ عیسیٰؑ اپنے سے پیشتر پیغمبر، موسیٰؑ کی شریعت کو منسوخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ اُن کے بہتان کے مطابق ، نعوذ باللہ عیسیٰؑ فرماتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور اور شریعت کے ساتھ ہی اُس سے پیشتر نبیؑ کی شریعت از خود منسوخ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خود عیسیٰؑ نے نہ صرف موسوی تعلیمات کا سر عام پرچار کیا تھا ، بلکہ لوگوں کو یہ بھی سکھایا تھا کہ اللہ کا کلام کبھی بھی منسوخ نہیں ہوا کرتا، بلکہ وہ ازل سے ابد تک قائم و دائم رہتا ہے ۔ (مزید دیکھئے، باب 10 سطر 34، باب 13 سطر 52 حاشیہ 103 اور 127)۔

کیونکہ مَیں تم سے نبوتاً کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، اُس وقت تک توریت سے ایک نقطہ یا ایک شوشہ ہر گز نہ مٹے گا جب تک یہ سب کچھ جو
اس میں لکھا ہے ، پُورا نہ ہو جائے ﴿۱۸﴾

49 نبوّتاً یعنی آئندہ زمانے سے متعلق الہامی بات کرنی ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی تعلیم میں گزشتہ انبیاؑ کے صحیفوں اور توریت کو مسلسل قائم رکھا ، اپنی آمد سے انہیں ہرگِز منسوخ قرار نہیں دیا بلکہ نبوّتاً بتایا کہ اللہ کا کلام کبھی پرانا یا غیر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر نبیؑ کی تعلیم اسے بار ہا اجاگر کرتی ہے۔ آپؑ نے واضح کیا کہ جب تک دُنیا قائم ہے اسوقت تک تمام صحیفے اور توریت بھی قائم ہیں اور ان میں لکھی ہوئی ایک ایک بات پُوری ہو کر رہے گی۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی تشریح یہُودیوں پر واضح کر دی کہ انہیں اللہ کے اصولوں کا بخوبی پتہ چل جائے۔ در اصل یہُودی علماء نے محض
توریت اور انبیاءؑ کے صحیفوں کی تفسیریں محض اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر سادہ لوح عوام پر اپنا روحانی و عملی قبضہ جمایا ہوا
تھا۔ اور یہُودی قوم اکثر خوف زدہ تفسیروں کے مارے اللہ کی ہستی کو اس قدر سخت اور جبار تصّور کرتے تھے کہ ہر وقت اسکے عذاب اور قہر سے خوف زدہ ہو کر نمازیں و دیگر مذہبی فریضے ادا کرنے میں جٹے رہتے تھے۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ اللہ کہیں غضّے میں بھڑک کر انہیں جہنم میں نہ ڈال دے۔ ایسے ڈر سے بچنے کے لئے لوگ اپنے عالِموں اور مُفتیوں کی باتوں پر چلتے رہتے تھے۔ (دیکھئے حاشیہ 24) لیکن عیسیٰؑ نے انہیں علماء کی مذہبی چالبازیوں سے بچاتے ہوئے توریت اور دیگر صحیفوں کی سچی تشریح کر دی تا کہ وہ اللہ کی محبت کو بخوبی سمجھ سکیں۔ (مزید دیکھئے، حاشیہ 51، 89، 152)

لٰہذا جو کوئی اِن چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے کسی ایک کو بھی توڑے گا اور دُوسروں کو بھی یہی سکھائے گا ، وہ سلطنتِ الٰہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا ، لیکن
جو اُن پر عمل کرے گا اور اُن کی تعلیم دے گا ، وہ سلطنتِ الٰہی میں بڑا کہلائے گا ﴿۱۹﴾

50 دیکھئے حاشیہ، 36، 22، اور 73۔

کیونکہ مَیں تم سے کہتا ہوں اگر تمہاری **دینداری** ماہرینِ فقہ اور علماء کی دینداری سے زیادہ نہ ہو گی تو تم سلطنتِ الٰہی میں ہر گز داخل نہ ہو سکو گے ۲۰

51 یہُودی علمائے دین کی دینداری محض مذہبی پابندیوں پر مبنی تھی، مگر اُنکی عملی زندگیاں خوف خدا یعنی اللہ کے احکامات مثلاً معافی، رحم، انصاف، محبت، نیکی، پرہیزگاری، پاکیزگی وغیرہ سے قطعی خالی تھیں۔ اسی لئے عیسیٰؑ نے دینی علماء کی تمام مذہبی پاکیزگیوں کے باوجود اُنہیں افعی (سانپ) یعنی شیطان (انجیل یوحنا باب 8: آیت 44 اور باب 23 سطر آیت 33) کہا تھا۔ کیونکہ اُنکی زندگیاں خوفِ خدا سے خالی تھیں۔ مزید دیکھئے، حاشیہ 24۔

تم سُن چکے ہو کہ **اگلوں** سے کہا گیا تھا کہ تم خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا ۲۱

52 اگلوں سے مراد تمہارے آباؤاجداد سے کہا گیا تھا۔ یعنی توریت کی تعلیم یہُودی لوگ ہزار سال سے سُن رہے تھے۔ کیونکہ ہر یہُودی کو بچپن ہی سے توریت حفظ کرائی جاتی تھی۔ لہٰذا عیسیٰؑ یہودیوں کو یہ اشارہ دے رہے تھے کہ تمہاری عام فہم تعلیم جسے تم پشت در پشت سُنتے چلے آئے ہو، اسی کو مِیں واضح کر رہا ہوں۔ حوالہ خروج باب 20 آیت 13۔)

لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصّے ہو گا، وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا، وہ **شرعی عدالتِ عظمیٰ** کا مجرم ہو گا اور جو کوئی اُسکو احمق کہے گا، وہ جہنم کی آگ کا سزاوار ہو گا ۲۲

53 حضرت عیسیٰؑ اپنے تمثیلی اندازِ بیان میں "اللہ کی عدالت" کو یہودیوں کی "شرعی عدالتِ عظمیٰ" (سَین ہیِڈرن sanhedrin جو تقریباً ستر یہودی فقیہوں، مفتیوں اور عالِموں پر مبنّی تھی، یہ شرعی قانون کے نفاذ اور فیصلوں کی حتمی عدالت ہوا کرتی۔) سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ جس طرح اُن کی مذکورہ شرعی عدالت کے فیصلے اٹل اور ناقابلِ تسخیر ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ کی عدالتِ عظمیٰ (جو حقیقی شرعی عدالتِ عظمیٰ ہے) میں گناہ کی نیّت ہی اصل گناہ تصوّر کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپؑ توریت میں کتابِ خُروج کے 20ویں باب کی 13ویں آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محض کسی کا خوُن بہانے سے ہی ارتکابِ قتل نہیں ہوتا بلکہ اس کی نیّت اور ارادہ ہی دراصل مذکورہ گناہ کو جنم دیتے ہیں کہ نیّتِ خون میں غصّے اور نفرت کا زہر برومند ہوتا ہے اور یہ بڑھتے بڑھتے ایک خوُنی جنّ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ایسے عناصر خواہ کسی انسان کے لئے باعث قضا ثابت نہ بھی ہوں، مگر اُن کے روح وقلب میں کُشت وخون کا ایک سمندر موجزن رہنے کے سبب انکی موجودگی ہر طرف خوف وہراس اور جبر و تشدّد کی فضا قائم کئے رہتی ہے۔ مذکورہ لوگ دُنیاوی عدالتوں اور قانون کی نظر میں بے شک مجرم ثابت نہ ہوں لیکن اللہ کی عدالت میں وہ قتل کے مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔ اسی طرح اللہ کے نزدیک ہر گناہ کی نیّت ہی اصل "گناہ کا عمل" ہوتی ہے، جبکہ یہودی علماء، کے نزدیک صرف گناہ کا عمل ہی انسان کو گناہ گار بناتا ہے۔ اسی باعث وہ لوگ اپنے دِلوں میں گناہوں اور تاریکیوں کے عزائم اور ارادے پالنے کے باوجود خود کو بیگناہ تصوّر کرتے تھے۔ ان کے خیال میں محض نماز، روزہ اور زکواۃ وغیرہ قائم کرنے سے ہی گناہ آلودہ خیالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ جبکہ عیسیٰؑ انہیں گناہوں اور ناپاک آلودگیوں سے توبہ کر کے صراطِ مستقیم پر چلنے کا راستہ بتاتے تھے کہ ایسی زندگیوں ہی سے اللہ کے ساتھ رشتۂ محبت قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ ہمارے دینی فریضے
اور وظیفے قبول کر سکتا ہے۔

[1] BRINK, GIJS VAN DEN (1997). *The Gospel according to Matthew: A Commentary Based on the New International Version.* Netherlands: Elim Publishing; [2] KEENER, CRAIG S. (1997). *Matthew: Volume 1, The IVP New Testament Commentary Series.* Downers Grove (USA): Intervarsity Press; [3] OTIS, GEORGE Jr. (1982) "Sin: A Race of Rebels". In *The God They Never Knew: The Tragedy of Religion without Relationship.* Michigan (USA): Mott Media; [4] PRATNEY, WINKIE (1970). "The Nature of Sin". In *Youth Aflame,* Sebastapol (USA): Communication Foundation Publishers.

لہٰذا اگر تُو **قُربان گاہ** پر اپنی نذر گزرانتا ہو اور وہاں تجھے یاد آجائے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے ۲۳

54 یہُودی معاشرے مِیں اکثر یہی تعلیم تھی کہ اگر تمہارے دِل مِیں کسی طرح کا غصّہ، نفرت یا نفسانی خواہشات وغیرہ ہوں تو زیادہ نمازیں پڑھو اور اللہ کی راہِ میں نذر اور صدقہ ادا کرو تو اللہ خوش ہوجائے گا۔ مگر حضرت عیسیٰؑ یہاں پر واضح کر رہے ہیں کہ اللہ کے حضور گندہ دِل، اور گھناؤنے خیالات ناقابلِ قبول ہیں۔ اللہ پاک ہے اور وہ پاک دِل کی عبادت اور صدقہ ہی پسند کرتا ہے۔

تُووہیں قربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر۔ تب آ کر اپنی نذر ادا کر (۲۴) جب تک تُو اپنے مُدّعی کے ساتھ راہ میں ہے، اُس سے جلد صُلح کر لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مُدّعی تجھے جج کے حوالے کر دے اور جج تُجھے پولیس کے حوالے اور یوں تُو جیل میں ڈال دیا جائے (۲۵) مَیں تُجھ سے نُبوّتاً کہتا ہوں کہ جب تک تو پائی پائی ادا نہ کرے وہاں سے ہرگز نہ چھُوٹے گا (۲۶)

تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا ہے کہ تم **زنا نہ کرنا** (۲۷)

55 (حوالہ خروج باب 20 آیت 14) مذہب عملِ گناہ کو گناہ تصّور کرتا ہے جبکہ خدا دِل کی نیت کو گناہ تصور کرتا ہے۔ مزید دیکھئے، حاشیہ 53۔

لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے شہوانی نیّت سے کسی عورت پر نِگاہ کی، اُس نے اپنے دِل میں اُس کے ساتھ اُسی وقت زنا کر لیا (۲۸) چنانچہ اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے نکال کر اپنے پاس **سے پھینک دے**، کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے (۲۹)

56 یعنی گناہ کو اپنے دِل و دماغ اور زندگیوں سے نکالنے کیلئے خواہ ہمیں کتنا ہی ظاہری نقصان اٹھانا پڑے، اِس میں ہماری روحانی جیت اور فتح ہوتی ہے۔ اللہ کی سچائی اور اطاعت کو اپنی زندگیوں میں قائم کرنے کے لئے ہمیں ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیاّر رہنا چاہیئے۔ ہمیں گناہ سے اس طرح نفرت کرنی چاہیئے جیسے اللہ نفرت کرتا ہے۔ عیسیٰؑ کا تمام طرزِ کلام تمثیلی ہوتا تھا اسی لئے آپؑ ہر بات سمجھانے کے لئے مثالوں اور تمثیلی کہاینوں سے کام لیتے تھے تا کہ دُنیا میں ہر شخص کو اللہ کا کلام بآسانی سمجھ میں آ سکے۔ جبکہ مذہبی علماء لوگوں پر اپنی مذہبی اجارہ داری کا رعب قائم رکھنے کی خاطر توریت کو مزید مشکل بنا دیتے تھے۔ یہاں آنکھ نکال کر پھینکنے سے مُراد، ہر اس بات یا معاملے کو زندگی سے نکالنا ہے جو آزمائشِ گناہ کا موجب بن رہا ہو۔

اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تیرے لئے **آزمائش کا باعث** بنے تو اُسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے (۳۰)

57 آزمائش کو ٹھوکر کا لفظ بھی دیا گیا ہے۔ یعنی جب آزمائش سے انسانی زندگی، اللہ کی راہِ میں ڈگمگانے یا ٹھوکر کھانے کا سبب بنے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم میں جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے، **اُسے طلاق نامہ لکھ دے** (۳۱)

58 حضرت موسیٰؑ کے دور میں یہودی مرد شادی کو محض اپنی قوم و نسل بڑھانے کا ایک ذریعہ تصوّر کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک عورت کے وجود کا بنیادی مقصد محض نسلِ انسانی کی نشونما کرنا، اور مرد کی جنسی پیاس کو بجھانا تھا۔ اس لئے

مرد حضرات عورتوں کو ایک جنسی علامت سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے۔ انکا وجود آدمیوں کے لئے نہایت ہیجان خیز تصوّر کیا جاتا تھا۔ اسی باعث خواتین کو اکثر گھر کی چار دیواری میں رکھا جاتا تھا، اور گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں انہیں حجاب پہننے پڑتے تھے۔ راہ چلتے وقت اگر کسی آدمی کی نظر کَسی خاتون پر پڑ جاتی تھی تو وہ شہوانیت کے ڈر سے نعوذ باللہ پڑھتے ہوئے فوراً اپنا رُخ بدل لیتا تھا۔ خود خواتین کو اپنے شوہروں کے ساتھ چلتے وقت اُن کے پیچھے پیچھے چلنا ہوتا تھا کہ شوہروں کے آگے چلنا گویا اُن کے جنسی جذبات کو اُبھارنے کا موجب تھا۔ دوسری طرف معاشرے میں عورت کو کوئی خاص حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ نہ اولاد کی مختار تھی (اولاد صرف مرد کی وراثت سمجھی جاتی تھی)، نہ باپ یا شوہر کی جائیداد میں اسکا کوئی حصہّ تھا، بلکہ اسے اپنے شوہر کی باندی کی حیثیت سے زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ اور ہر وقت اسے اپنے شوہر کے ہر حکم کو بجالانے کے لئے تیاّر رہنا ہوتا تھا، ورنہ اسے شوہر کے سنگین تشدّد اور دیگر مظالم کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ اور بعض حالات میں انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ تک دھونے پڑتے تھے۔ لیکن ایسے وحشت ناک حالات کے باوجود عورت اپنے سفاک شوہروں سے ہرگز چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ عورت کے ساتھ اُن کے شوہروں کے مذکورہ سنگدل و ہولناک برتاؤ کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰؑ نے بیویوں کو اپنے شوہروں سے طلاق لینے کی اجازت دے دی تھی ۔(دیکھئے، 19 ویں باب کی 8 ویں سطر، توریت: کتابِ استثنا، 24 ویں باب کی پہلی 4 آیات۔ حاشیہ 124 اور 146)۔

[1] B. Berakhot 24a, B. Eruvin 18b. In *The Soncino Talmud: The CD ROM Judaic Classics Library* (1995). Chicago (USA): The Davka Corporation; [2] SCHECHTER, S. and J.H. GREENSTONE (1901). "Marriage Laws". In *The Jewish Encyclopedia*. New York (USA): Funk and Wagnalls; [3] *Testament of Reuben* 5:1-5. Quoted in SCHOLER, D.M. (1980) "Women's Adornment: Some Historical and Hermeneutical Observations on the New Testament Passages". *Daughters of Sarah*, 6:1 (January-February, 1980): 3-6.

لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کے علاوہ کسی اور سبب سے طلاق دے ، وہ اُس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اُس طلاق یافتہ سے نکاح پڑھوائے ، وہ بھی زنا کرتا ہے ﴿۳۲﴾

اور وہ بھی تم سُن چکے ہو کہ جو اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تم جھوٹی قسم نہ کھانا ، بلکہ اپنی قسمیں اللہ کے لئے پُوری کرنا ﴿۳۳﴾ لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں کہ **قسم بالکل نہ کھانا** - نہ تو آسمان کی ، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا تخت ہے ﴿۳۴﴾

59 قسم سے مراد حلف یا عہد ہے - یہُودی معاشرے میں لوگ خدا کے ساتھ کوئی عہد و پیمان باندھتے وقت اپنی کسی قیمتی چیز ، سرمایے ، کسی عزیز ترین شخص یا جگہ وغیرہ کی قَسم کھایا کرتے تھے - مگر بعد ازاں لوگ آپس میں لین دین اور دیگر معاملات میں بھی قسمیں کھانے لگے اور اکثر اپنے جھوٹ اور فریبوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر قسموں کا سہارا لیتے تھے - اسی لئے عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ سچی قسموں یعنی سچے وعدوں اور حلفوں کو نبھانے کے لئے انسان کو کسی چیز کی قسم کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہاں یا نہیں کا کلام ہی کافی ہے - (حوالہ : توریت ، احبار باب 19 آیت 12) -

[1] ORR, JAMES (MA, DD) (1915). "Oath". In *International Standard Bible Encyclopedia*; [2] WILSON, DR. RALPH F. (2006). "The Spirit of Promising." Available online: http://www.jesuswalk.com/manifesto/lesson6-htm.

نہ زمین کی ، کیونکہ وہ اُس کے پاؤں کی چوکی ہے - نہ یروشلم کی ' کیونکہ وہ **بزرگ بادشاہ کا شہر** ہے ﴿۳۵﴾

60 بزرگ بادشاہ ، حضرت داؤدؑ کو کہا جاتا ہے حضرت داؤدؑ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ یہُودیوں کے بادشاہ بھی تھے - آپؑ کا دارالسلطنت یروشلم تھا -

نہ اپنے سر کی قسم کھانا ، کیونکہ تم اپنے ایک بال تک کو سفید یا کالا نہیں کر سکتے ﴿۳۶﴾ بلکہ تمہارا کلام ہاں ہاں ، یا نہیں نہیں ، ہو کیونکہ جو اِس سے زیادہ ہے ، وہ بدی سے ہے ﴿۳۷﴾

تم سُن چکے ہو کہ جو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور **دانت کے بدلے دانت** ﴿۳۸﴾

61 حضرت موسیٰؑ نے معاشرے میں یہودیوں کے مسلسل جبر و تشدّد کے باعث انہیں باقاعدہ شریعت اللہ (توریت) سے متعارف کرایا تھا - اور یوں انسان کو پہلی مرتبہ اللہ کا کلام تحریری صورت میں میسّر ہوا تھا - مگر موسیٰؑ کے گزرنے کے بعد اُن کے فقہیوں اور مفتیوں نے توریت کو باقاعدہ اپنی قانونی اصطلاحات میں ڈھال دیا تھا - اور پھر شرعی عدالتوں کی بنیاد رکھ کر اِن اصطلاحات کی تشریحات محض اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنے لگ گئے - اور پھر جب کبھی مذکورہ علماء نے کسی فردِ واحد یا مخالف گروپ سے انتقام
لینا ہوتا تو وہ شریعت کی من مانی تشریح کر کے اُن پر گستاخِ شریعت یا گستاخِ رسول (گستاخِ موسیٰؑ) کے مقدّمات گھڑ لیتے اور اُنہیں ہولناک حد تک پہنچا دیتے تھے - اور اس طرح موسوی شریعت کے بیشتر حصّے عملاً علماء کے ہاتھوں تحریفات کا شکار ہو کر رہ گئے تھے - اِسی لئے اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو اہلِ یہود میں بھیجا کہ وہ علماء کی تحریف کردہ توریت کو دوبارہ زندہ کریں (ملاحظہ : سورہ ال عمران آیت 48) - لہٰذا عیسیٰؑ اپنے مقصدِ آمد کے تحت بابِ ہٰذا میں اہلِ یہود کو توریت میں خروج کی کتاب 21 باب ، 24ویں آیت - اور احبار کی کتاب 24 باب ، 20ویں آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ یہود میں سے گناہ ، ظلم اور لاقانونیت کو مفقود کرنے کے لئے مذکورہ حکم دیا تھا نہ کہ آپس میں ایک دوسرے پر جبر و تشدّد کے پہاڑ توڑنے کے لئے - مزید دیکھئے ، حاشیہ 62 ، 89 اور 152 -

[1] DAVIS, JAMES F. (2005) *Lex Talionis in Early Judaism and the Exhortation of Jesus in Matthew 5.38-42*. New York: T&T Clark Publishers, Ltd; [2] DAY, JOHN N. (2002) "The Imprecatory Psalms and Christian Ethics." *Bibliotheca Sacra* 159 (April-June): 166-186. Dallas Theological Seminary (USA).

لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ **شریر کا مُقابلہ نہ کرنا** ' بلکہ اگر کوئی تیرے دہنے گال پر تھپڑ مارے تو تُو دُوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے ﴿۳۹﴾

62 جیسا کہ گزشتہ حاشیہ (نمبر 61) میں بتایا جا چکا ہے کہ یہودی معاشرے میں لوگ اکثر اپنے ذاتی مفاد و عناد کے لئے اپنے مخالفین کو اکثر شرعی قانون اور گستاخِ رسول (گستاخِ موسیٰؑ) کے سنگین مقدمات میں پھنسا کر اُنہیں ہیبت ناک حد تک پہنچا دیتے تھے - اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے انبیاؑئے اکرام کی شہادتوں تک جا پہنچا تھا - اور عیسیٰؑ کے دور میں علماء اور مشائخ کے چیلے و گرگے اکثر آپؑ کو کسی نہ کسی طرح گستاخِ رسول اور شرعی قانون میں پھنسا کر شہید کرنے کی تگ و دو میں رہتے تھے - (دیکھئے ، 22ویں باب کی سطور 15 تا 18) - مگر آپؑ نے نہ صرف اپنے دشمنوں اور اذیّت دینے والوں کو محبت دکھائی اور اُن کی خدمت کی ، بلکہ اپنے

حواریوںؓ اور دیگر لوگوں کو بھی دشمنوں سے پیار کرنے کا درس دیا۔ مندرجہ بالاسطر میں بھی عیسیٰؑ محبت ومعافی کی بدولت شر کو شکست دینے کا درس دے رہے ہیں ۔ کیونکہ شیطان کو شیطانی طریقوں (یعنی انتقام، حسد، اَنا، گھمنڈ، رشوت، قتل وغیرہ) سے ہر گز زیر نہیں کیاجاسکتا، بلکہ اللہ کے طریقوں (یعنی محبت، معافی، انکساری، تحمل، نیکی، خدمت وغیرہ) سے ہی ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ نے توریت کی کتابِ استشنا کے 32ویں باب کی 35ویں آیت میں فرمایا ہے کہ سزا اور جزا میرے ہاتھ میں ہے۔

اور اگر کوئی عدالت میں تیرے خلاف دعویٰ کر کے تیری قمیض اُتارنا چاہے تو تُو اُسے اپنا چوغہ بھی لے لینے دے ﴿۴۰﴾ اور جو کوئی تجھے بیگار میں ایک مِیل لے جائے تُو اُس کے ساتھ دو مِیل بھی چلاجا ﴿۴۱﴾ جو کوئی تجھ سے مانگے، اُسے دے۔ اور جو تجھ سے قرض چاہے اُس سے منہ نہ موڑ ﴿۴۲﴾

تم سُن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو اور اپنے دُشمن سے عداوت ﴿۴۳﴾

(توریت میں، احبار کی کتاب، باب 19 کی 18آیت)۔

لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو ﴿۴۴﴾ تا کہ تم اپنے خدا باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سُورج کو نیکوں اور بدوں دونوں پر چمکاتا ہے اور دینداروں اور بے دینوں دونوں پر مینہ برساتا ہے ﴿۴۵﴾

63 فرزند: سے مُراد روحانی بیٹے ہیں۔ یعنی جنکی سیرت اور اعمال صرف خدا کے اصولوں کے مطابق ہوں۔ ایسے لوگوں کی عملی زندگیاں پاکیزگی اور اللہ کے نُور سے چمکتی ہیں۔ مزید دیکھئے، حاشیہ 26، 28، 81، 47اور 128۔

64 دیندار، یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے والے اُس کے صالحین بندے۔ ایسے لوگ جو ہر حال میں بخوشی اللہ کے حکموں پر عمل کریں اور زندگی کے ہر قدم پر اللہ کی خوشنودی میں رہیں بے دین، کو یہودی معاشرے میں غیر اقوام بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے دَور میں یہُودی قوم ہی اہلِ شریعت ااور اہلِ کتاب تھی۔ دیگر اقوام جو اُنکے گِردو نواح میں مقیم تھیں، وہ بت پرستی اور جادو گری میں مُلوّث تھیں۔ اللہ کے نافرمان لوگوں کو بھی بے دین کہا گیا ہے۔ (مزید دیکھئے حاشیہ 72)۔

کیونکہ اگر تم اپنے محبت کرنے والوں ہی سے محبت کرو تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ کیا محصُول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ ﴿۴۶﴾

65 دیکھئے، حاشیہ 84، 143اور 158۔

اور اگر تم محض اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو؟ کیا غیر اقوام کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے؟ ﴿۴۷﴾ لہٰذا چاہیے کہ تم کامِل بنو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامِل ہے ﴿۴۸﴾